حکیم الاسلام قاری محمد طیب رح

دین کے اصول ثلاثہ

شریعت، طریقت اور سیاست

ارشاد ربانی ہے:

"وہ ذات جس نے بھیجا ان پڑھ لوگوں میں ایک رسول ان ہی میں سے، پڑھتا ہے ان پر اس کی آیات اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اگرچہ وہ پہلے کھلی گمراہی میں تھے"

اس آیت میں تلاوت آیات کا ذکر فرما کر اس کی معنویت کے تین مقام ذکر فرمائے گئے ہیں جس سے امت کی اصلاحی اسکیم کے تین بنیادی اصول پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ "مسئلہ تعلیم" جس کے معنی تمام احکام کو پیش کر دینے کے اور سکھا دینے کے ہیں کہ جس پر امت کے علم و فکر کی تکمیل اور ترقی موقوف ہے۔

۲۔ "مسئلہ تزکیہ یا تہذیب الاخلاق" جس کے معنی دلوں کی کلیں درست کر دینے کے ہیں کہ تمام باطنی کیفیات و مقامات کو سامنے لانا ہے، جس پر قلوب کی استقامت موقوف ہے۔

۳۔ "مسئلہ تلقین حکمت" جس کے معنی ایک تفسیر کے مطابق شارع علیہ الصلوۃ والسلام کی مجموعی زندگی "اسوہ حسنہ" امت کے سامنے لے آنے کے ہیں۔ جس کے مجموعے پر امت کی زندگی کی تنظیم موقوف ہے۔ پس قرآن کے اصلاحی پروگرام کے تین بنیادی اصول ہو گئے تعلیم احکام، تہذیب اخلاق، تنظیم اعمال۔

عرف عام میں پہلے اصول یعنی تعلیم کا لقب "شریعت" ہے۔ دوسرے اصول تہذیب اخلاق کا "طریقت" تیسرے اصول تنظیم اعمال کا نام "سیاست" ہے۔ یہ دین کے اصول ثلاثہ ہیں۔ جس سے دینی کائنات مرکب ہے۔ اسلام میں ان تینوں سے راہ معلوم ہوتی ہے۔ اگر یہ راستہ ہی سامنے نہ ہو تو مسافت طے کرنا کیسے ممکن ہے؟ طریقت سے راہ پر چلنے کی اخلاقی قوت پیدا ہوتی ہے۔ اگر چلنے کی طاقت نہ ہو تو محض راہ کی استقامت سے کیا ہوتا ہے؟ اور سیاست سے راہ کے روڑے صاف ہوتے ہیں۔ اگر راستہ پرخار اور سنگ راہ سے لبریز ہو تو طاقت بھی کیا کام دے سکتی ہے؟ اگر پھر بھی کام لیا جائے تو ساری طاقت راستے پر ہی صرف ہو کر رہ جائے گی، منزل مقصود تک رسائی ہی مشکل ہو جائے گی۔

پس شریعت راہ ہے۔ "طریقت" "قوت رہروی" اور سیاست "تصفیہ راہ ہے"۔

قوت ہمیشہ مخفی چیز ہوتی ہے۔ راستہ ہمیشہ نمایاں ہوتا ہے۔ اور راستہ کی صفائی کا کام نمایاں ہی نہیں کافی شور و شغب بھی لئے ہوتا ہے۔ اس لئے قدرتی چیز ہے کہ طریقت تصوف کی بنیاد یکسوئی اور

انفرادیت پر ہو چنانچہ وہ اپنے انہی بنیاد اور اصول اور معانی وفروغ کے لحاظ سے انسان کو طبعاً تخلی وخلوت اور یکسوئی کی طرف کشاں کشاں لے آتی ہے۔صوفی بحیثیت ایک صوفی کے ساری دنیا سے الگ تھلگ اور یکسو ہو جاتا ہے۔اسے صرف اپنی ذات اور اصلاح وفلاح پیش نظر ہوتی ہے۔وہ دوسروں سے ملتا بھی ہے تو انہیں بھی اپنا ہم مذاق بنا کر مخلوق سے منقطع کر دیتا ہے۔بہر حال خلوت پسندی سے اسے کوئی طاقت نہیں ہٹا سکتی جب تک اس پر طریقت کا غلبہ ہو لیکن شریعت کی بنیاد تعلقات کی کثرت اور ادائے حقوق پر ہے ہدایت وارشاد کی خاطر مخلوق میں گھسنا ان کی اڑی کڑی جھیلنا اور لگی آگ میں سے جلتے ہوؤں کو نکالنا شریعت میں ضروری ہے۔طریقت میں جس مخلوق سے کنارہ کشی کی جاتی ہے شریعت میں اسی مخلوق سے رابطہ جوڑا جاتا ہے وہاں لوگوں سے بھاگنا اور دور رہنا ہے۔اور یہاں مخلوق میں گھل مل جانا ہے پس ایک حامل شرع جس پر تشریع کا غلبہ ہو بحیثیت ایک شرعی فرد کے سارے انسانوں کی طرف دوڑ کر ان کی اصلاح کی فکر میں رہے گا۔اسے درد ہو گا، اپنے گھر کا، اپنے قبیلے کا، پھر شہر کا، عام برادری کا اور پھر ساری دنیا کے انسانوں کا پس اس جلوت پسندی سے اسے کوئی طاقت ہٹا نہیں سکتی جب تک اس پر شرعی رنگ کا غلبہ ہو گا۔

ادھر سیاست کے دائرے میں تعلقات کی نوعیت اور بھی زیادہ شدید ومدید ہمہ گیر ہو جاتی ہے۔وہاں شریعت کی رو سے تو آدمی اپنے نفس سے نکل کر بندوں تک آیا تھا اور یہاں سیاست میں بندوں سے نکل کر شہروں تک اور شہر ہی نہیں صحرا پہاڑوں، زمینوں اور ان کی پیداوار دریاؤں اور ان کے بہاؤ، حیوانات اور ان کے منافع غرض کہ ساری کائنات کے اجزاء اور ان کی تنظیم تک ایک سیاسی فرد کو بڑھنا پڑتا ہے۔وہاں حقوق کا پہنچانا الگ ہیں اور دفاع مظالم الگ، حدود وتعزیرات الگ ہیں اور جہاد وجانبازی الگ، بیت المال کی حفاظت الگ ہے اور دشمنوں کی گرفتاریاں الگ غرض کہ ایک شوکت توڑنا اور ایک جھنڈا بلند کرنا مفسدوں کو دبانا اور مصلحتوں کو سربلند کرنا، رشتوں کا زور توڑنا اور حق والوں کو مدد دینا۔خلاصہ یہ کہ مادی اور روحانی قوتوں سے طرح طرح کے انقلابات کر کے سلطنتوں کو الٹ پلٹ کرنا اور نئے نئے نظاموں کی بنیادیں ڈال کر سارے عالم پر ایک شوکت قائم کرنا ایک سیاسی فرد کا کام ہے، ظاہر ہے اس میں یکسوئی اور خلوت کہاں۔یہاں تو بندوں سے گذر کر شہروں، انسانوں سے گذر کر حیوانات، حیوانات سے گذر کر نباتات اور سب سے گذر کر ایک ایک چپہ زمین کے لیے اسی انسان کے اوقات صرف کئے جاتے ہیں جس کی ایک ایک چیز طریقت میں محض یکسوئی اور شریعت میں ایک خاص دائرہ تعلقات میں محدود تھی۔اس لئے طریقت یکسوئی اور کنارہ کشی اور سیاست اختلاط ہی اختلاط اور شریعت دونوں کے درمیان ایک برزخ ہے جو ان دونوں کو ملا کر "خلوت در انجمن" پیدا کر دیتی ہے۔اس سے خود واضح ہوتا ہے، کہ شریعت کا خلوت در انجمن میں آنا جب ہی ممکن ہے کہ اس کے دائیں بازو پر یکسوئی کا خزانہ "طریقت" ہو اور بائیں بازو پر انجمن کا منبع "سیاست" ورنہ خلوت در انجمن اور "دل بیار دست بکارے" کا وجود ہی نہیں ہو سکتا۔ظاہر ہے کہ اس حالت میں ان تین عنصروں کو ایک دوسرے سے جدا

کردیا جائے تو ان کے باہمی امتزاج کے مخلوط منافع منقطع ہو کر ایک مخصوص نقصان میں پڑ جائے گی۔ اگر صرف طریقت رہ جائے جس میں شریعت اور سیاست نہ ہو تو وہ صرف وحشت اور شرمندگی ہے اور اگر صرف شریعت ہو جس کے ساتھ طریقت اور سیاست نہ ہو تو وہ شدت اور صرف جمود ہے۔ اگر سیاست کے ساتھ طریقت و شریعت نہ ہو تو وہ نخوت اور صرف تکبر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تینوں صفات تنہا کمال نہیں ہیں اس لیے ان میں سے ہر ایک دوسرے کا سہارا اور مصلح ہے اور اس لیے "دین" نے ان سب کو کر کے اپنا نام "دین" رکھا جیسا کہ حدیث جبریل سے واضح ہے۔ پس طریقت کا وحشت کا مصلح شریعت اور سیاست ہے جن کی بنیاد تعلقات کی کثرت اور اجتماعیت پر ہے شریعت کے جمود کا مصلح طریقت ہے جس سے قلب میں شفقت و محبت پیدا ہو کر جمود و تشدد زائل ہوتا ہے۔ سیاست کی نخوت و تحکم کا مصلح شریعت و طریقت ہے جن کی آمیزش سے مخلوق پر رحم اور تر[illegible] عالم کا ظہور ہوتا ہے اور خلافت الٰہی نمایاں ہو کر نفسانی ظلم و جبر ہو جاتا ہے۔ پھر شریعت و طریقت کی کس مپرسی و بے بسی کا مصلح سیاست ہے جس کی مادی شوکت ان دونوں کے لیے سرمایہ عظمت و حفاظت بنتی ہے پس جب جب ایک طرف طریقت اور تہذیب الاخلاق کے ذریعے نفس میں انصاف پیدا ہو گیا اور شریعت کے ذریعے علم احکام اور تعلیم خیر کا جذبہ شفقت قائم ہو گیا اور ریاست و قوت کے ذریعے اس علم الاخلاق اور حسن اخلاق کے نفاذ کی قدرت پیدا ہو گئی تو اب سیاست میں سے نخوت و کبر نکل کر وقار و خود داری اور شہامت و بہادری آجائے گی۔ طریقت میں سے رسم خلوت نکل کر حقیقت خلوت لئے تعلق مع اللہ اور انقیاد احکام کا ملکہ پیدا ہو جائے گا اور ادھر اتباع شریعت میں سے خشکی جمود و تنگ نظری نکل کر وسعت نظر، جامعیت، ہمہ گیری، تعاون اور آپس میں اتحاد کے جذبات ابھر آئیں گے جس سے قوم کے مادی و روحانی عروج کا نقشہ خود بخود قائم ہو جائے گا۔ جس کے مجموعہ کو دین کہتے ہیں۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دین بغیر ان تینوں عنصروں کے جمع کئے ہوئے مکمل نہیں ہوتا اور خدام دین اس وقت تک صحیح معنی میں خدمت دین نہیں کر سکتے جب تک وہ بیک وقت حامل شریعت صوفی اور سیاسی نہ ہوں۔ افسوس ہے کہ آج یہ تینوں چیزیں الگ الگ مستقل شمار کی جارہی ہیں اور ان کے حامل الگ الگ مستقل طبقات شمار کئے جارہے ہیں۔ اور اسی طرح شریعت اور سیاست کو الگ الگ مستقل منہاج سمجھ لیا گیا ہے۔ اور نہ صرف اسی پر اکتفا کیا گیا ہے بلکہ صوفیاء اپنے تصوف کی تکمیل اس میں سمجھتے ہیں کہ وہ علماء کے مدمقابل آئیں۔ علماء صوفیوں کے مقابلہ پر ہوں اور سیاسی ان دونوں طبقوں کے مقابل کھڑے ہوئے ہوں۔ اور یہ دونوں طبقے سیاسیوں کے مقابلے میں اس لئے قوم میں مستقل تین طبقے قائم ہیں اور وہ بجائے اس کے کہ مل کر کسی ایسی طاقت کے بالمقابل آئیں جس نے ان کا علم بھی غلط کر رکھا ہے اور عمل کا راستہ بھی غلط ڈال دیا ہے۔ اپنی اپنی طاقتیں اپنی ہی لڑائیوں میں ختم کر دیتے ہیں، جس سے تفرقہ انداز طاقت زیادہ قوی اور دلیر ہوتی جاتی ہے۔

میرے خیال میں جب تک یہ تینوں طبقے مل نہ جائیں اور نہ صرف افراد ہی مل جائیں بلکہ ان کے

یہ تینوں فنون اس طرح باہم آمیختہ نہ ہوجائیں کہ قوم کا ہر فرد حامل شریعت، صوفی صافی اور سیاسی مخلص ہوجائے۔ اس وقت تک قوم بحیثیت مجموعی مکمل قوم ہی نہیں کہلاسکتی اور اسلامی نقطہ نظر سے کامیابی کامیابی کا منھ بھی نہیں دیکھ سکتی۔

اسلام میں دین سیاست سے الگ نہیں وجہ یہ ہے کہ ان میں سے دو جز علم احکام اور حسن اخلاق ، دیانت کے اساسی شعبے ہیں اور ایک جزو کمال نظم و اجتماعیت سیاست کا شعبہ ہے اور سیاست کو دیانت سے جب بھی علیحدہ کیا جائے گا تب نہ حقیقی سیاست قائم رہیگی نہ حقیقی دیانت۔ اگر دیانت نہ رہے تو سیاست ڈاں کٹ کھنا اور جور و استبداد کا مالک ہوگا اور اگر سیاست نہ رہے تو دیانت نہ رہے، تو دیانت بے کس و بے بس اور زوال کی حامل ہوجائے گی قانون محض اور کوری سیاست سے دنیا کبھی امن و چین کا منھ نہیں دیکھ سکتی، اور نہ ہی عالم بشریت کی اصلاح تنظیم ہوسکتی ہے۔

اگر ایسا ہوسکتا تو آج یورپ سب سے زیادہ صالح، سب سے زیادہ باہم مربوط اور ساری دنیا سے زیادہ پر امن ہوتا کیونکہ وہاں قوانین سیاست کی دفعات برساتی کیڑوں کی طرح ہیں کتنی ہی قانون ساز جماعتیں بارہ مہینے وضع قانون میں مصروف رہتی ہیں، نئی نئی ضروریات پر روزانہ قانون بنتے ہیں اور بگڑتے ہیں لیکن جس حد تک سیاسی ضوابط بڑھتے جاتے ہیں، اسی درجے باہمی روابط گھٹتے جاتے ہیں۔ رقابتوں اور عداوتوں میں روز افزوں اضافہ ہورہا ہے۔ انسانوں کی درندگی اور ہوسناکی قانون کے دائرے میں رہ کر قانونی غارت گریاں اور آئینی ظلم وستم کو خوب سیکھتے جارہے ہیں، اور یورپ کی ساری دنیا قتل غارت گری اور ہوا و ہوس کا ایک جہنم زار بنی ہوئی ہے۔

پس اگر محض سیاست اور روکھے قانون سے بشریت کی اصلاح و تنظیم ممکن ہوسکتی تو یورپ کو یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا اسلئے کہ وہاں نہ سیاست کی کمی ہے نہ قوانین کی، ہاں اگر کمی ہے تو دیانت کی ہے یعنی وہاں سیاست کے پیچھے نہ اخلاق ربانی ہیں نہ مقصد الہیہ کا علم ہے اور نہ ان کا نمونہ عمل۔ اور جب سیاست کا محور ہی صحیح نہ ہو تو کوری سیاست اور خالی قانونی اتار چڑھاؤ سے امن نفوس اور سکون عالم کیسے نصیب ہوسکتا ہے۔

بس آج کی یورپین تباہ کاریاں عالم گیر سر پھٹول اور انسانیت کی یہ تباہی اور خواری فقدان سیاست سے نہیں بلکہ فقدان دیانت کے سبب ہے۔ جب آدمی ایک بے شعور درندہ بن جائے تو محض سیاست اس کے دل و دماغ کو تبدیل نہیں کرسکتی۔ یہ انقلاب ذہنیت صرف تہذیب اخلاق اور تعلیم کتاب اللہ سے ممکن ہے جو مجموعہ دیانت ہے۔ دیانت بلا سیاست اور علم و اخلاص بلا شوکت بے بس، بے کس اور عام نگاہوں میں بے وقعت ہوجانے کے سبب قبول عام اختیار نہیں کرسکتے اور نہ صرف یہی بلکہ اس کمزور ترین صورت حال کے بڑھ جانے سے ان کی تحقیر و استہزاء اور تمسخر کی داغ بیل پڑتی ہے جس سے شوکت پرست طبقے میں ان کی حقارت ایک مشن اور مقصد کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے ظالم و گناہ گار کی طبیعتیں جو شوکت دین سے دبی ہوتی ہیں اس حالت میں کھل کھیلتی ہیں اور اس

بقیہ صـ ۲۸

روزہ فرض

میرا ذاتی تجربہ: لائق غور و فکر

جناب حکیم محمد سعید صاحب

سال گزشتہ ماہ رمضان المبارک ہمیشہ کی طرح بہ ہر اعتبار باعث رحمت و برکت تھا۔ نزول و تکمیل قرآن حکیم کا یہ ماہ مبارک عالم اسلام کے لیے من حیث المجموع برکات کا پیغام لاتا ہے اور رحمتوں کی فراوانیاں اس کی خصوصیت ہے۔ فطرت انسانی کے سارے جوہر بیدار ہوجاتے ہیں۔ اور ہر انسان کہ جو عبادت روزہ سے سرشار ہوتا ہے طمانیت درجہ قلب سے سرفراز ہوتا ہے۔

ایک نہایت دلچسپ، نہایت درجہ قابل غور یہ حقیقت ہے۔ کہ خوش خوراک اور پرخور انسان اپنی ذہنی توانائیوں سے محروم ہوجاتا ہے۔ بلکہ کند ذہن ہوجاتا ہے۔ میرا انداز فکر یہ ہے، کہ پرخور انسان وہی ہوتا ہے کہ جس کا حافظہ کمزور ہوتا ہے۔ اور ذہن جس کا ماؤف ہوتا ہے۔ ذرا اس حقیقت پر اس طرح غور کرنا چاہیے۔ کہ مثلاً آپ نے ایک لقمہ شیریں نوش جان فرمایا یا آپ نے لذیذ تافتان کے ساتھ لذیذ قورمہ تناول فرمایا۔ تو کیا یہ ایک لقمہ کافی نہیں ہے؟ اگر آپ اس کا ذائقہ یاد رکھیں تو دوسرا لقمہ یا متعدد لقمے کھانے کی ضرورت کیا ہے ہر بار ذائقہ تو وہی رہیگا۔ ذائقہ اور لذت وہی رہتی ہے مگر آپ کھا کر ہر بار بھول جاتے ہیں۔

زندگی کے شب و روز موجب درس ہیں اور حیات مستعار کے لیل و نہار اس حقیقت کی طرف آپ کو متوجہ کرتے ہیں کہ اس عالم فانی میں انسان کو زندہ رہنے کے لیے غذا نوش جان کرنی چاہیے۔ کھانے اور کھائے جانے کے لیے زندہ رہنے کا انداز فکر یقیناً روح پرور نہیں ہوسکتا۔ زندہ رہنے کیلیے تناول اشیائے غذائی عین ثواب ہے، اعتراف سائنس ہے، عین اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔

اب میں اپنا ذاتی تجربہ بتاتا ہوں۔ سال گزشتہ پورے ماہ رمضان المبارک میں بجز ایک یوم میں نے پورے مہینے ترک غذائے متنوع کیا۔ پورے مہینے میں نے نہ گوشت کھایا، نہ چاول کھائے اور نہ گیہوں کھایا۔ کوئی سبزی ترکاری نہیں کھائی۔ کوئی دہی بڑا پکوڑا نہیں کھایا۔ ایک دن بھی میں نے قورمہ نوش جاں کیا نہ تافتان، اور نہ شیرمال اور نہ روٹی، نہ پلاؤ اور نہ بریانی، نہ چٹنی نہ اچار۔ پھر کیا کھایا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ میں نے پورے ماہ رمضان المبارک میں ابلی ہوئی نمکین چنے کی دال، کھجوریں اور بہ قدر ضرورت دودھ استعمال کیا۔ ابلی ہوئی چنے کی دال میں چند کھجوریں توڑ کر ڈالیں اوپر سے دودھ ڈالا، افطار و سحر یہ میری من بھاتی غذا تھی۔ پورے مہینے، چنے کی دال پاکستان کے دوست کاشت کار نے پیدا کی۔ کھجوریں اندرون سندھ کی نہایت اچھی پیداوار ہے۔ دودھ درآمد کردہ نہ تھا۔ اس لیے کہ اس کے دودھ ہونے میں اور حلال ہونے میں شبہ ہے۔ دودھ پاکستان کی خوبصورت گائے نے دیا تھا۔ وہ گائے

جیسے ہم روزانہ ذبح کر کے کھا جاتے ہیں اور دودھ باہر سے منگواتے ہیں!

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ پورا رمضان المبارک بہ عافیت تامہ گزرا۔ ایک دن تہجد ہاتھ سے نہ گئی۔ کوئی ایک نماز قضا نہ ہوئی۔ کوئی ایک تراویح ادا ہونے سے نہ رہی۔ پورے مہینے کی شام ورزش کے لیے ٹینس جاری رہی۔ کسی ایک دن ہاضمہ خراب نہ ہوا۔ پورا مہینہ چاق وچوبند رہا۔ کاہلی اور سستی قریب نہ آئی۔

عید کی صبح آئی۔ میں نے اپنی نواسی ماہم (ماہ نیم ماہ) سے کہا: ماہم ذرا وزن کرنے کی مشین لاؤ۔ دیکھتا ہوں کہ وزن دس پاؤنڈ کم ہوا یا بارہ۔ مشین پر کھڑا ہوا۔ حیرت انگیز طور پر معلوم ہوا کہ ساڑھے چھ پاؤنڈ وزن بڑھ گیا ہے۔

میرے ہم وطنو! اب آپ غور فرمائیے کہ آپ کو کیا کرنا چاہیے، میں آپ سے تجربہ دہرانے کے لیے نہیں کہتا۔ مگر صرف اس قدر کہتا ہوں کہ روح روزہ ورمضان یہ ہے کہ انسان تقلیل غذا کرے۔ اپنے اندرون کو خالی رکھے تاکہ نور معرفت نظر آئے۔ لقمہ حلال کے وقت یہ خیال ذہن سے ماورا نہ ہو کہ پاکستان میں لاکھوں غریب فاقے کرتے ہیں۔ کھاتے وقت یہ بات ذہن میں موجود ہو کہ ہم مقروض ہیں اور ہماری غذائی اشیاء مثلاً چائے، دودھ، گیہوں، گوشت، آلو پیاز، ٹماٹر، دالیں درآمد کرنے پر اربہا روپیہ خرچ ہو رہا ہے۔ ہمیں قرض دیگر اقوام غیر، طاغوتی طاقتیں، یہود ونصاریٰ ہماری گردنوں میں غلامیوں کے طوق لٹکا رہے ہیں۔ ہماری خودی اور خود داریاں چھین رہے ہیں۔ ہماری عزت وناموس کو تباہ کر رہے ہیں۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ اس ماہ رمضان المبارک کو پاکستان کے لیے مبارک فرمائیں اور آپ کے لیے اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکات نازل ہوں۔ میرے عظیم نونہالوں اور نوجوانوں پر رحمتوں کی بارشیں ہوں۔ ہم ایثار کر کے قرضوں سے نجات حاصل کریں۔ ہم غلامیوں کے طوق اتار کر پھینک دیں۔ آزادی کی روح پرور فضاؤں میں سانس لیں۔

بقیہ صـ۷

ان یکتب الی العمال فاخذبہ ابو بکر وامضاہ بعدہ علی ما کتب

(مصنف ج ۴ ص ۲۵)

حضور علیہ السلام نے ایک کتاب تحریر کرائی جسمیں فرائض سے متعلق ارشادات تھے۔ آپ یہ کتاب اپنے عمال کے پاس بھیجنا چاہتے تھے لیکن بھیجنے سے پہلے آپ کی وفات ہو گئی۔ حضرت ابو بکر صدیق نے یہ کتاب لی اور اسے پوری طرح نافذ کر دیا"۔ سنن ابو داؤد میں بھی انہی الفاظ کے ساتھ اس مجموعہ کا تذکرہ ملتا ہے۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۱۹)

(جاری ہے)